e-Published by:

Fiction Shelve

THE VISIONARY VOICE
MAY 2024

All Rights Reserved. No Part of this publication may be reproduced, distributed, or transmitted in digital form, including printing, recording or other electronic methods without the prior written permission from the magazine owners, except in the case of brief quotations embodied in reviews and certain noncommercial uses permitted by copywright law. For permission requested, contact The Visionary Voice Magazine

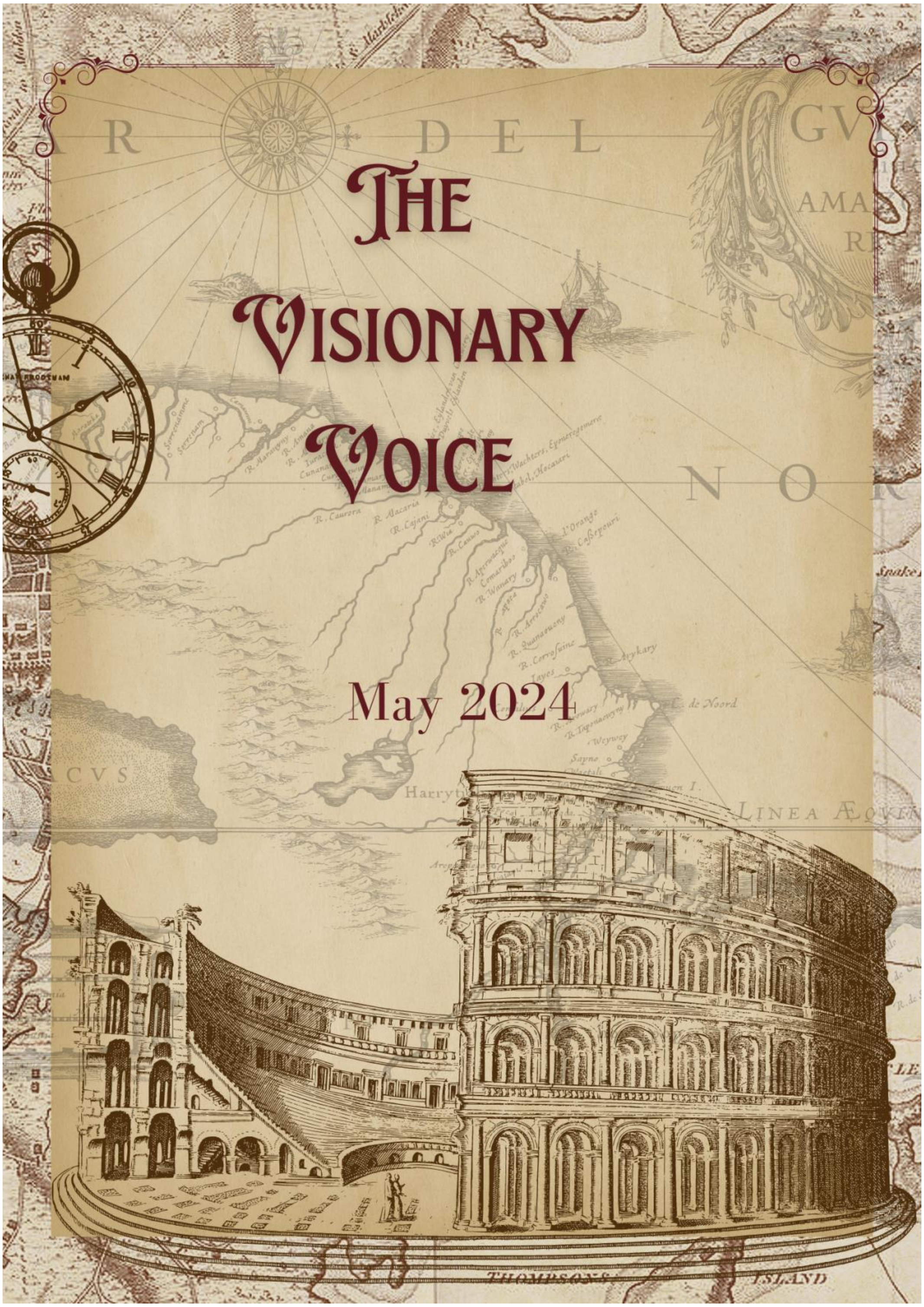
The Visionary Voice
May 2024

کاغذ کی یہ مہک، یہ نشہ روٹھنے کو ہے
یہ آحری صدی ہے کتابوں سے عشق کی

دی ویژنری وائس

پہلا شمارہ

سہ ماہی رسالہ

مئی ۲۰۲۴

فہرست

عنوان۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ صفحہ نمبر
رقیب سے۔۔۔!۔۔۔۔۔09
وف۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔15
بروں کے فیصلے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔16
اچھے دن آئیں گے۔۔۔۔۔۔۔29
احساس۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔34
ساعری۔۔۔۔۔۔ا 36

حصہ نثر

غم ہستی کا اسد کس سے ہو حر مرگ علاج

شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

مرزا غالب

اداریہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالضُّحٰی

دن کی روشنی کی قسم ہے۔

وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی

اور رات کی جب وہ چھا جائے۔

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی

آپ کے رب نے نہ آپ کو چھوڑا ہے اور نہ بیزار ہوا ہے

اسان اپنے آس پاس ہونے ولے حادمات وواقعات کو محسوس کر ماہے اور پھر ان احساسات کو لفظوں کی شکل دیتا ہے۔ادب دراصل انہی احساسات اور الفاظ کا مجموعہ ہے۔

"دی وسری وائس "ادب کی بہت وسیع دنیا میں ایک چھوٹی سی کاوش ہے، جو نوجوان

لکھاریوں میں ادب کو زندہ رکھنے کی ایک سعی ہے۔

اس رسالہ کا واحد مقصد نوجوان طلبہ وطالبات کے لیئے ایک پلیٹ فارم مہیا کر ماہے جہاں وہ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو نکھار سکیں،ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں وہ اپنے خیالات کا اظہار کر سکیں اور جہاں وہ ایک آفاقی پیغام دیں سکیں۔

ان تمام لوگوں کا شکریہ جنہوں نے اس رسالے کی تکمیل اور اساعت میں میر اساتھ دیا۔ ان تمام لکھاریوں کا شکریہ جنہوں نے اس رسالے کو اپنی تحریریں سائع کرنے کا شرف بخشا

مدیر اعلیٰ

رقیب سے۔۔۔!

تحریر: صبا صادق

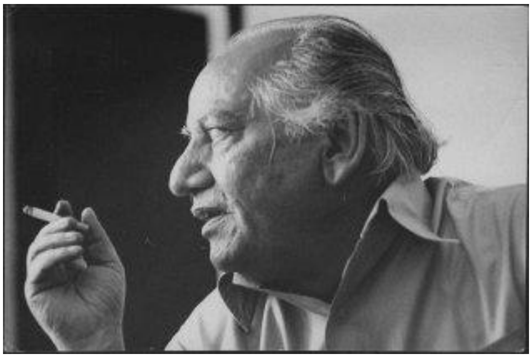

یہ "نظم رقیب سے "فیض احمد فیض نے اس وقت لکھی جب وہ سیالکوٹ میں ایک پری چہرہ سے دوبارہ ملے۔۔۔۔

فیض کی اوائل عمری کے زمانے کی بات ہے جب وہ سیالکوٹ میں رہائش پدیر تھے۔انکے معمول میں سامل سب سے اہم کام کالج جاتا تھا جہاں وہ انٹر میڈیٹ کے طالبعلم تھے۔اپنے گھر کے بالائی حصے کے ایک کمرے میں وہ رہائش پر یر تھے کبھی کبھی جب وہ اداس ہوتے یا کبھی کچھ وقت خود سے ملاقات کے لیئے نکلا تو وہ اس کھڑکی کے پاس رکھے کرسی پہ جا بیٹھے۔ان کے گھر کے بالکل سامنے والے گھر کے دریچے سے روزانہ دو آنکھیں ان کے لئے بے تاب ہوتی۔فیض بھی اس کی زلفوں کے اسیر ہو چکے تھے۔اس کے آنچل کا لہرانہ اور اس کا اضطراب فیض کو عشق میں مبتلا کیئے رکھا۔اور اسی طرح کئی صبحیں اور کئی راتیں گزر گئی۔ایک لمبے عرصے تک دونوں ایک دوسرے کی خاموش محبت میں گرفتار رہے وہ الگ بات کہ ابھی تک اظہار کی جرات دونوں نے نہ کی تھی۔لیکن ایک دوسرے کے دل میں پنہاں جذبات سے خوب واقف تھے۔

اس بات سے تو ساید سب واقف ہوں کہ محبت بہت دفعہ قربانی مانگتی ہے اور میرے خیال میں عشق کی تکمیل ہی ہجر سے ہوتی ہے اگر ہجر نہ جھیلنا پڑے تو محبت کی شدت کا اندازہ کیسے ہو سکتا ہے، وصل کی لذت کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ کبھی انسان ذمہ داریوں کے بوجھ تلے دب جاتا ہے اور کبھی رشتوں کی پاسداری کے لیئے محبت قربان کرنی پڑتی ہے۔

یعنی کچھ ایسا ہی ہوا کہ ایک سام جب فیض اپنے کالج سے لوٹے تو وہ دریچہ جو ہمیشہ ان کے لئے واہو تا وہ آج بند تھا۔ وہ زلفیں ساید اب کس اور کو اپنا اسیر کر گئی تھی، وہ دلنوا اب رخصت ہو چکی تھی۔ جب عہد ہی کوئی نہ تھا تو کیا غم شکستگی لیکن دل میں چبھن ضرور تھی کہ ابھی جو دل کے قریب تھی اب وہ آنکھوں سے اوجھل تھی نہ جانے کیسے حالات میں ہو یا ساید یہ محبت انکی یکطرفہ تھی۔ ایسے بہت سے سوالات وہ رازدارانہ خود سے کرتے اور کوئی جواب نہ پا کر تھک جاتے۔ فیض بہت عرصے تک رنجور رہے لیکن گردش دوراں نے سب دھندھلا دیا کہ غم اور بھی ہیں دنیا میں محبت کے سوا۔۔ لیکن ایک افسردہ سی کسک باقی تھی دل کے ایک کونے میں وہ محبت آج بھی سانس لے رہی تھی۔ تنہائی میں وہ آج بھی ہمراز بن جاتی اور کبھی کبھی کچھ سرگوشیوں میں کہہ دیتی تو ان کا اضطراب اور بڑھ جاتا۔ اسی طرح غم روزگار میں دن گزرتے گئے۔ اور وہ دن بھی آئے کہ اب فیض ایک نامور ہستی کے طور پہ جانے لگے۔ فیض کو اب سیالکوٹ سے لاہور منتقل ہوئے ایک عرصہ ہو گیا تھا۔ لیکن اب بھی سیالکوٹ کے ذکر پہ انکا دل ایک بار دھڑک ضرور جاتا۔

ایک دفعہ ایک مشاعرے میں شرکت کے لئے انکا سیالکوٹ آنا ہوا تو اتفاق سے ان کی ملاقات اسی پری چہرہ سے ہو گئی۔ دونوں اپنی زندگیوں سے مطمئن تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک عورت کو دو چیزوں کی طلب ہوتی ہے ایک خوشگوار ازدواجی زندگی اور دوسرا اچھے مالی حالات۔۔ البتہ محبت، باہمی تعاون ہمدردی کے بغیر بھی زندگی بہت آسان نہیں ہوتی۔ وہ اوئل عمری کی محبت ابھی بھی زندہ تھی۔ اب بھی وہ دو آنکھیں کسی یادوں کے حریرے پہ اپنے محبوب کے دیدار کے لیئے بھٹکی پھرتی۔ وہ لڑکی جب فیض سے ملنے آئیں تو ان کے ہمراہ ان کے شوہر بھی تھے اور حیرت انگیز طور پہ اس لڑکی کے شوہر فیض کے بہت برے مداح تھے۔ اس مختصر سی ملاقات نے اس بجھی ہوئی محبت کو پھر سے زندہ کر دیا، وقت جیسے کئی سال پیچھے کو دوڑ گیا ہو جیسے بنجر زمین کو ایک دم کسی نے سیراب کر دیا ہو

جاتے سمے فیض نے اس کے شوہر کو ایک غزل لکھ کہ دی جو ان کے مجموعہ کلام "نسخہ ہائے وفا" میں رقیب سے کے عنوان سے سامل ہے۔

آکہ وابستہ ہیں اس حسن کی یادیں تجھ سے

جس نے اس دل کو پری خانہ بنا رکھا تھا

جس کی الفت میں بھلا رکھی تھی دنیا ہم نے

دہر کو دہر کا افسانہ بنا رکھا تھا

آشناہیں رے قدموں سے وہ راہیں جن پر

اُس کی مدہوش جوانی نے عنایت کی ہے

کارواں گزرے ہیں جن سے اسی رعنائی کے

جس کی ان آنکھوں نے بے سود عبادت کی ہے

تجھ سے کھیلی ہیں وہ محبوب ہوائیں جن میں

اس کے ملبوس کی افسردہ مہک باقی ہے

تجھ پہ برسا ہے اسی بام سے مہتاب کا نور

جس میں بیتی ہوئی راتوں کی کسک باقی ہے

تونے دیکھی ہے وہ پیسانی وہ رخسار وہ ہوس

زندگی جن کے تصور میں لٹادی ہم نے

تجھ پہ اٹھی ہیں وہ کھوئی ہوئی ساحر آنکھیں

تجھ کو معلوم ہے کیوں عمر گنوادی ہم نے

ہم پہ مشترکہ ہیں احساں غم الفت کے

اتنے احساں کہ گنواوں تو گنوا نہ سکوں

حُر تیرے اور کو سمجھاوں تو سمجھا نہ سکوں

غاحری سیکھی، غریبوں کی حمایت سیکھی

یاس و حرماں کے دکھ درد کے معنی سیکھے

زیر دستوں کے مصائب کو سمجھنا سیکھا

سرد آہوں کے رخ زرد کے معنی سیکھے

جب کہیں بیٹھ کے روتی ہیں وہ بے کس جن کے

اشک آنکھوں میں بلکتے ہوئے سو جاتے ہیں

ناتوانوں کے نوالوں پہ جھپٹے ہیں عقاب

بازو تولے ہوئے منڈلاتے ہوئے آتے ہیں

جب کبھی بکتا ہے بازار میں مزدور کا گوشت

شاہراہوں پہ غریبوں کا لہو بہتا ہے

آگ سی سینے میں رہ رہ کہ ابلتی ہے نہ پوچھ

اپنے دل پہ مجھے قابو ہی نہیں رہتا

وقت

مختلف ادوار میں لوگوں کے وقت کے بارے میں مختلف مشاہدات اور نظریات رہے ہیں لیکن میں نے وقت کو بہت بڑا منصف پایا ہے۔اتنا بڑا کہ حدا بھی بعض اوقات اپنے کچھ فیصلے وقت کے سپرد کردیتا ہے۔سمّے کا پہیہ چلتا رہتا ہے۔حالات بدل جاتے ہیں۔لوگ واقعات بھول جاتے ہیں لیکن وقت کا انصاف جاری رہتا ہے سالوں دہائیوں پر محیط وقت بالآخر ماسٹ کر دیتا ہے کہ کون کس منزل کی جستجو میں تھا اور کون کس مقام کا حقدار تھا۔

صبا صادق

بروں کے فیصلے

سیدہ رائحہ علی

وسیع و عریض ایکڑ پر پھیلی ساندار حویلی کے خوبصورت لان میں دھند کے دبیز پردوں میں چلتی ٹھنڈی ہوا کے دوش پر، ایک ہاتھ سے لہراتے دوپٹے کو سنبھالتے اور دوسرے سے چلتے جھولے کی زنجیر کو تھامے اپنے آپ کو ہوا کے سپرد کرتی نیلی کانچ سی آنکھوں، کھڑی ستواں ناک، کٹاؤں ہونٹ، مشرقی اور مغربی حسن کی پیکر، نگاہوں میں کسی کی تصویر لیے ڈوبی ہوئی تھی۔ سامنے اپنے کمرے کی بالکنی میں ایک نوجوان ہاتھ میں کافی کا مگ لیے کھڑا پینگ پر بیٹھی لڑکی کو نظروں میں سموئے ہوئے تھا۔

اپنے چہرے پر کسی کی نگاہوں کی تپش محسوس کرتے جھٹ سے آنکھیں کھولتی، اطراف میں دیکھی ہوئی نگاہ، سیدھی کمرے کی بالکنی پر پڑی اور وہیں دل کی دھڑکنیں تھم سی گئیں اور خود سے ہم کلام ہوتے ہوئے کہنے لگیں:

"اے روح من عزیز جان کے پیکرِ وجاہت، اے میری روح میں بسنے والے حسین یوزار سیف، میری نگاہ کو بس تو ہی ہر طرف دکھائی کیوں دے رہا ہے؟"

زرباب ساہ اپنے حال سے بے خبر یوزار یوسف کو دیکھنے میں مدہوش سی تھی کہ اچانک حویلی کے اندر کا دروازہ کھول کر باہر آتی بوا جی نے فضا میں پھیلی فسوں کو اپنی آواز سے بکھیر دیا "زری بی بی! ساہ بی بی آپ کو ڈائننگ ٹیبل پر ماشتے کے لیے بلا رہی ہیں"

زر ماب ساہ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں گہرا سانس کھینچتے ہوئے ہاں میں گردن ہلادی اور واپس نگاہ اسی جگہ پر ڈالی جہاں کچھ دیر پہلے یوزر سیف کھڑا تھا۔ لیکن اب وہاں کوئی نہ تھا پھر دور تک پھیلے لان میں خوبصورت پھولوں کی طرف دیکھا اور واپس اسی جگہ نگاہ ڈال کر بولی:

رخصت ہوا وہ تو میں نے دیکھا

پھول اتنے بھی خوشنما نہیں ہوتے

ڈائننگ روم میں داخل ہوتے ہی پہلی نگاہ اسی وجاہت کے پیکر پر پڑی دل نے ایک بار پھر بے ساختہ شعر کو لبوں میں سرگوشی کی صورت میں ادا کیا۔

تسبیح کے دانوں میں سدا ورد کی صورت

ہونٹوں پہ میرے حرف مسلسل ہے، کہ تم ہو

نگاہیں بمشکل ہی سمیٹ کر مؤدب انداز میں آداب بجالاتی ساہ بی بی کی اور دیکھتے ہوئے اپنی کرسی سنبھالی کہ اتنے میں ساہ بی بی کی حکمانہ آواز گونجی:

"ہم نے جو برسوں پہلے فیصلہ کیا تھا اپنے لاڈلے پوتے یوزار سیف کا بیاہ اپنی پوتی دریکتا سے کریں گے۔ ماساء اللہ سے اب میرا یوزار اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا ہے۔ اور چونکہ دریکتا بھی اپنی ذمہ داری سنبھالنا سیکھ گئی ہے لہذا جلدی ہی ہم چاہتے ہیں کہ اپنے اس فرض سے سبکدوش ہوں"

ساہ بی بی کے الفاظ گویا پگھلے ہوئے سیسے کی طرح یوزار سیف اور زماب ساہ کے کانوں میں پڑے۔ وہیں دریکتا کے چہرے پر حیا کی قوس و قزاح نے رنگ بکھیر دیے۔

یوزار سیف ہاتھ میں پکڑے چمچ کو پلیٹ میں پٹختے ہوئے اپنی نشست سے کھڑا ہوا بلند آواز میں بولا:

"معاف کیجئے گا ساہ بی بی لیکن ہمیں اپ کا یہ فیصلہ منظور نہیں ہے اور نہ ہی آئندہ کبھی ایسا ہو گا ہم زرماب ساہ کو نہ صرف پسند بلکہ عشق کرتے ہیں اور سادی بھی ہم انہی سے کریں "

یوزر سیف کی بات سے ہی ڈائننگ ہال میں سناٹا چھا گیا اور جو جہاں تھا وہیں تھم سا گیا۔ آج تک ساہ بی بی کے آگے ان کی اولاد کی ہمت نہ ہوئی تھی کہ ان کے فیصلے سے انکار کرنے کی گستاخی کرے۔ حیدر ساہ نے غصے سے اپنے خوبرو بیٹے کی طرف دیکھا اور بولے:

"گستاخ! اتنی جرات کے ساہ بی بی کے فیصلے سے انکار کرو گے معافی مانگو فوراً"

یوزار سیف نے ساہ بی بی کی اور دیکھا اور بولا:

"معذرت ساہ بی بی لیکن ہم اپنا فیصلہ نہیں بدلیں ہم نے جو کہنا تھا کہہ دیا"۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھر ماڈائننگ روم سے نکلتے ہوئے چلا گیا۔

ساہ بی بی نے جاہ و جلال کے عالم میں غصے سے کھولتے ہوئے اپنے بڑے بیٹے حیدر ساہ کی جانب دیکھا اور بولیں:

"حیدر ساہ کیا آپ نہیں جانتے کہ ہم نے آج تک کبھی اپنا فیصلہ نہیں بدلا۔ ہمارا کہا ہوا پتھر پر لکیر جیسا ہے۔ سمجھا دیجئے گا اپنے لختِ جگر کو کہ سادی ہو گی تو صرف اور صرف در یکتا سے"

ساہ بی بی نے اپنی نگاہوں کا رخ زرماب کی اور کیا اور مرید کہنے لگی:

"اور رہی بات ہماری نواسی زرماب ساہ کی تو یہ اپنے خاندان میں بیاہی جائیں گی۔ ہم آج ہی زینب بانو سے بات کرتے ہیں کہ زرماب کو واپس بلا لو لاہور۔ اور اپنے سسرال میں ہی دیکھ کر ان کی بات چلائی جائے"

زرماب ساہ سہم کر کھڑی اپنی قسمت کا فیصلہ سنتی رہی۔

"باباجان! ہم مر جائیں گے مگر زرماب کے بغیر جینے کا تصور سوہانِ روح ہے۔ زرماب ہمارا عشق ہے۔ بچپن سے ہم نے اپنے عشق کے پودے کو اپنی نگاہوں کی تپش سے بڑا کیا ہے۔ اُس کے بغیر ہم فنا ہو جائیں "

روتے تڑپتے ہوئے یوزار سیف نے حیدر ساہ کے دونوں ہاتھوں کو تھاما اور شدت غم سے مچلتے ہوئے بولے:

"پلیز بابا آپ ساہ بی بی کو سمجھائیے کہ زرماب کو ہمارا کر دیں پلیز بابا پلیز!"

حیدر ساہ نے اپنی بیٹے کو یوں ٹوٹا بکھرا ہوا کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ان سے اپنے جوان بیٹے کی یہ حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ اس کا یوں منت ساجت کرنا جیسے بہت ہی کوئی قیمتی متاع چھین جانے کا ڈر ہو جوان کے بیٹے کو توڑ گیا تھا۔ حیدر ساہ نے یوزار کو کندھوں سے تھامتے ہوئے اپنے سامنے کیا اور گلے لگا لیا۔ چونکہ سارا خاندان ساہ بی بی کی عادت و اطوار کو بخوبی جانتا تھا کہ اگر ساہ بی بی ایک بار جو فیصلہ کر دیں تو کبھی پیچھے نہیں ہٹتی اور پھر چاہے ان کے فیصلے سے کسی کی زندگی ویران ہی کیوں نہ ہو جائے۔

"ساہ بی بی آپ میرے یوزار سیف کو بچپن سے جانتی ہیں ارے وہ تو آپ کا لاڈلا پوتا ہے ہمیشہ سر اٹھا کر اپنے خاندانی وقار میں جینے والا، اس حویلی کی سان رکھنے والا، پہلا وارث جسے میں نے آج یوں ٹوٹتے گڑگڑاتے ہوئے مانگتے ہوئے دیکھا ہے ساہ بی بی! خدارا!! آپ مان جائیں۔

صدمے سے حُور نگاہوں میں بے یقینی کا مار لیے، لیکن اپنی اس کیفیت کو غصے کا رنگ دیتے ہوئے امل لہجہ بناتی ساہ بی بی نے اپنے بیٹے کو مخاطب کیا:

"لگتا ہے بیٹے کی محبت نے انکھوں پر پٹی باندھ دی ہے اور دماغ کی سوجھ بوجھ کو ختم کر دیا ہے اسی لیے ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ دریکتا بچپن سے یوزار سیف سے منسوب کر دی گئی تھی۔ ایسے رشتہ ختم کر ملاِس خاندان کے رواج اور ہمارے فیصلے کے خلاف ہے لہدا ہم ایسا کچھ بھی نہیں ماننے والے۔ بہتر ہے خود بھی سمجھ جائیں اور اپنے بیٹے کو بھی سمجھائیں"

ساہانہ انداز سے واپس اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے دائیں بازو کو جھٹکا دیتے تحکما مالہجے میں بولی۔

"ساہ بی بی اگر اولاد جوان ہو جائے تو اس پر زبردستی کے فیصلے نہیں تھوپے جاتے۔ نہیں تو اولاد خود سر ہو کر برابر کھڑی ہو جاتی ہے۔ میں نے یوزر سیف کی آنکھوں میں زری بیٹی کا عکس دیکھا ہے۔ ساہ بی بی!! جب وہ سیدھے طریقے سے چل کر ہمارے پاس آتے ہیں تو کیوں ہم انہیں چور راستہ اپنانے پر مجبور کریں"

حیدر ساہ اپنی ماں کے قدموں کے قریب بیٹھتے ہوئے التجائی انداز سے بولے:

"مان جائیں ساہ بی بی تین زندگیوں کا سوال ہے دریکتا کا رشتہ ہم اپنے چھوٹے بیٹے یامان ساہ سے طے کر دیتے ہیں۔ ہمارا یامان جیسے ہی لندن سے پڑھ کر آ ماہے ہم

دریکتا بیٹی کی جلد ہی سادی کر دیں گے ساہ بی بی"

"حیدر ساہ مت بھولیے کہ ابھی اس حویلی کے فیصلے کرنے والی ساہ بی بی زندہ ہے"

آنکھوں سے شعلے برساتے جلال بھرے انداز میں ساہ بی بی نے حیدر ساہ کو جواب دیا اور مرید بولی:

"ہم آحری بار اپ کو بتا رہے ہیں کہ سادی ہو گی تو دریکتا اور یوزار سیف کی۔ بات کو یہیں پر ختم کیجئے اور جایئے انتظامات کیجئے"

حیدر ساہ کو بولتے دیکھ کر ساہ بی بی نے ہاتھ کے اِسارے سے چلے جانے کا اسارہ کیا۔ اور دائیں ہاتھ میں موجود تسبیح کے دانے گرانے میں مصروف ہو گئی۔ لے ہوئے مسافر کی طرح حیدر ساہ اپنی ماں کے دامن سے خالی ہاتھ نکلتے ہوئے بیٹے کے حق میں دعا کرنے لگے۔ ماں کی انا اور بیٹے کی التجا نے حیدر ساہ کو چکی کے دو پاٹوں میں پیس کر رکھ دیا تھا۔ حویلی میں سادی کے ہنگامے شروع ہوئے اور ادھر زرناب نے خود کو کمرے میں قید کر لیا۔ اور یہی ورد کرنے لگی:

"اے میرے رب العزت! میرے دل کو پھیر دے یا پھر یوزار یوسف کو، میرے شہنشاہ کو میرا نصیب کر دے"

روتے، تڑپتے ہوئے ٹھنڈے فرش پر بچھے مصلے پر ہاتھوں کو دعاؤں کی صورت میں اٹھائے، التجائیں کرتے ہوئے بولی:

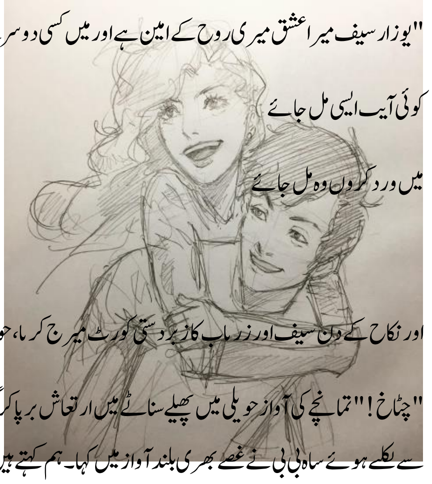

"یوزار سیف میرا عشق میری روح کے امین ہے اور میں کسی دوسرے کے لیے زندہ لاش کی مانند ہوں"

کوئی آیت ایسی مل جائے

میں ورد کروں وہ مل جائے

اور نکاح کے دن سیف اور زرباب کا زبردستی کورٹ میرج کرنا، حویلی کے در و بام کو ہلا گیا۔

"چٹاخ!" تمانچے کی آواز حویلی میں پھیلے سناٹے میں ارتعاش برپا کر گئی۔ "حیدر ساہ! تمہارے بیٹے کی اتنی حرات!! صدمے سے چور حالت سے نکلے ہوئے ساہ بی بی نے غصے بھری بلند آواز میں کہا۔ ہم کہتے ہیں کہ نکل جاؤ ہمارے گھر سے خود اور اپنی اِس گستاخ اور نافرمان اولاد کو لیے اس حویلی سے چلے جاؤ۔" ساہ بی بی کے اِس انداز نے سب کو اپنے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا مشکل کر دیا۔ حیدر ساہ نے بے یقینی سے اپنی ماں کی اور دیکھا اور سر جھکا گئے۔ یوزار سیف جلدی سے ساہ بی بی کے قدموں میں بیٹھے بکھرتے ہوئے لہجے میں بولے:

"ساہ بی بی! ہمیں تو آپ نے اپنے ہاتھوں سے پالا ہے۔ آپ جانتی ہیں کہ ہم نے آج تک کسی چیز کے لیے ضد نہیں کی۔ نہ آپ نے ہمیں کسی چیز کے لیے تڑپتے ہوئے دیکھا ہے۔ لیکن ہم سچ میں زرباب سے عشق کرتے ہیں ہماری نگاہوں میں دیکھیئے ہم زری کے بغیر نہیں جی سکے"

ساہ بی بی نے پہلی بار اپنے لاڈلے پوتے خوبرو نوجوان، شہزادوں کی سی آن بان رکھنے والے یوزار سیف کو گرگراتے ہوئے دیکھا یوزار مرید بولا:

"ہم اپنی اور زرباب کی جان لے لیں گے۔ لیکن خود کو اور زرباب کو کسی اور کا ہونے نہیں دیں گے"۔ اپنے لاڈلے پوتے کی اس بات میں ساہ بی بی کے دل کو شکنجے میں جکڑ لیا۔ اور سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے جلدی سے پیچھے ہوئی اور روتے ہوئے بولی۔

"اٹھو میری جان، میرے شہزادے، ہمارے قدموں میں نہیں، ہمارے دل میں آپ کی جگہ ہے۔ ہمیں معاف کر دیں۔ ہم آپ پر ظلم کرنے چلے تھے۔ ہم نے آپ کو ایسا کرنے پر مجبور کیا۔ کوئی بات نہیں کیا ہوا اگر آپ نے نکاح کر لیا۔ سادی ہم اپنے طریقے سے دھوم دھام سے کریں گے۔ اور رہی بات دریکتا کی تو حیدر ساہ نے وعدہ کیا تھا وہ یامان ساہ سے سادی کر دیں گے۔ لیکن فیصلہ دریکتا کرے گی کہ وہ یامان سے سادی کرے گی یا نہیں۔ دریکتا نے اپنے دل میں پھیلی یوزار سیف کے نام کی پکار کو دباتے ہوئے اپنی دادی کے اِس بھرے فیصلے کو سُن کر پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ ہاں میں سر ہلا دیا۔

"کاش! ہم برے وہ فیصلے نہ کریں جو ہماری اولاد کے لیے ساری زندگی کے غموں کا باعث بنے۔ کسی کی زندگی گلزار ہو تو کسی کی زندگی کے ساتھ ناانصافی ہو کر خار بن جائے"

اچھے دن آئیں

تیمور خان

میں اس وقت اپنے کمرے میں لکھے ان الفاظ کو گھور رہا ہوں جو میں نے ان دنوں میں لکھے جو دن میری دانست میں سخت تھے۔ یہ بات ہے گیارہویں جماعت کے دنوں کی جب پڑھائی کا بوجھ ہی زندگی میں سب سے برا معلوم ہوتا تھا۔ زندگی جیسے نصابی کتابوں کے پیچھے دب کر رہ

گئی تھی۔یوں محسوس ہوتا تھا کہ شاید زندگی کے سب سے برے امتحان سے میں اب گزر رہا ہوں۔اس وقت میں نے اپنے کمرے کی دیوار پر یہ الفاظ لکھے تھے "اچھے دن آئیں گے" اور ساتھ میں اس کا انگریزی ترجمہ

"Good days will come”

بھی لکھا تھا۔گو ہٹلر کی شخصیت نفرت کا مجسمہ تھی مگر اس کی تقریر کے کم از کم یہ الفاظ کانوں کو ضرور بھلے لگتے تھے۔دن اسی طرح گزرتے رہے اور نصابی بوجھ پورے زوروں سے میرے کندھوں پہ رہا مگر پھر اچانک مارچ 2020 میں کرونا وبا کی وجہ سے پورے ملک میں لاک ڈاؤن لگا اور یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے بہت تیز رفتار گاڑی کو یکدم بریک لگا دی ہو۔یوں لگا کہ جیسے قدرت کہہ رہی ہو کچھ دیر ٹھہر جاؤ۔سانس لے لو۔بہر حال یہ فراغت کے دن مرے میں کٹنے لگے۔مگر اب کرونا وائرس کا ڈر ہر جگہ پھیلنے لگا اور میں بھی اس سے گھبرایا تو تھا اور اس کے علاوہ ایک اور بات بھی مجھ پر آشکار ہوئی تھی کہ مصروف زندگی جامد زندگی کی نسبت بہتر ہے۔جامد زندگی آپ کی صلاحیتوں کو زنگ لگا دیتی ہے۔خیر میں اس جامد زندگی اور کرونا سے پریشان پھر اس دیوار کو گھورتا جہاں لکھا تھا "اچھے دن آئیں گے"۔چھ ماہ اس عرصے کے بعد تعلیم کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا تو احساس ہونا شروع ہوا کہ میری دماغی صلاحیتیں کس قدر زنگ آلود ہو چکی ہیں۔اس وقت سب سے مشکل کام خود کو دوبارہ نظم و ضبط میں لانا تھا۔سو میں اس کی کوشش کر رہا اور اس مرحلے میں بہت مصیبتیں بھی آئیں جیسا کہ سردیوں میں ڈیڑھ ماہ کے لئے دوبارہ لاک ڈاؤن لگ گیا۔خیر یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا۔میں پڑھائی کے عمل پر بھرپور توجہ کی کوشش کرتا رہا اور کافی حد تک کامیاب بھی رہا۔امتحانات سر پر آئے تو خوف اور بھی بڑھ گیا۔اس دوران بھی میں اپنی دیوار کو گھورتا اور ان الفاظ کو پڑھتا۔امتحانات کو سلسلہ ختم ہوا تو مجھے لگا شاید اب وہ اچھے دن آنے کو ہیں مگر امتحانات کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ میں ڈپریشن اور سوشل اسکرائٹی کا شکار ہوں۔یہ شاید دنیا کی وہ بیماری ہے جس میں مریض کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ میں آج تک اچھی دماغی حالت کا کفران کرتا رہا ہوں۔زندگی بے سبب محسوس ہوتی ہے اور دل چاہتا ہے کہ اپنی شخصیت کا لبادہ اتار پھینکیں جیسے ساحر نے کہا ہے کہ

تنگ آ گئے ہیں کشمکشِ زندگی سے ہم

ٹھکرا نہ دیں اس زندگی کو کہیں بے دلی سے ہم

اس طرح کی حالت لیے میں گزشتہ وقتوں کو یاد کرتا اوران حالات میں جب یونیورسٹیوں کی اینٹری ٹیسٹ کی تیاری کرناپڑی تو معاملات اور بھی گمبھیر ہونے لگے کمرے میں بیٹھے ہوئے نظریں دوبارہ دیوار پر لکھی عبارت پر پڑتی کہ اچھے دن

آئیں گے۔

ستمبر سیشن میں ان یونیورسٹیوں میں سے کہیں بھی داخلہ نہ ملا تو میں نے جنوری سیشن کی تیاریاں شروع کر دیں اور اس بار ہدف بھی بری یونیورسٹی تھی میں نے داخلے کے لیئے پوری جان لگادی اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ سایدبیرون ملک ایک بہترین یونیورسٹی میں جانا زندگی کی تمام مشکلات کو حل کردے گا اس بار یونیورسٹی میں داخلہ بھی ہوگیا اور اپنے اعلیٰ تعلیمی سفر کا اغاز کرنے برطانیہ چلا گیا اس کے بعد مجھے جو شدید مشکلات درپیش آئیں اور ایسی مشکلات جن کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا مگر اب کہ میں ایک بات سمجھ چکا تھا کہ زندگی پیہم سفر اور جدوجہد کا نام ہے زندگی چلتے رہنے نئے راستے کھوجنے خود کو بہتر بنانے اور آزمائشوں سے گزرنے کا نام ہے

عزم سفر سے پہلے بھی ختم سفر کے اگے بھی

راہ گزر ہی راہ گزر ہی راہ گزر سے اگے بھی

اسان کی منزل کبھی احری نہیں ہوتی اسان زندگی کے مرحصے میں ایک نئ راہ گزر کو دیکھتا ہے ایک نئ آزمائش ایک نئ لڑائی اس کی منتظر ہوتی ہے

لیکن زندگی اسی کا نام ہے کہ اسان ان مصائب اور مشکلات سے آنکھیں چرانے کی بجائے ان سے نبرد آزما ہوا گر اسان علم ازمائشوں سے ہار بھی جائے تو اسے ایک اطمینان ہے کہ وہ اس کوشش میں تو ضرور تھا

وف کے بہتے دریا میں کچھ تو بانہیں مارو تم

جیت اگر ممکن نہ ہو لڑتے لڑتے ہارو تم

احساس

جویریہ رؤف

چیزیں اور انسان کبھی بھی برابر

نہیں ہو سکے۔ اس لیئے کہ ہمیں مختلف محل وقوع پر انکی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کی ہم کسی پیارے کے بغیر ایک لمحہ بھی نہیں جی پائیں
لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوتا۔ کیوں کی جو چیز نصیب میں لکھ دی جاتی ہے وہ ہو کر ہی رہتی ہے چاہے کچھ ملنا ہو یا کچھ چھننا ہو انسان سے۔

ہر سانس آہستہ رفتار سے آتی ہوئی کہ جیسے راستے میں ہی رک جائے گی۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے۔ کیوں کی میں اپنے ساتھ اس دنیا میں جتنی زندگی لکھوا کر لائی ہوں وہ اپنے مقررہ وقت پر ہی ختم ہو گی۔

ماں کا ہمیشہ سے ہی احساس محسوس کیا ہے۔ لیکن ماں پاس نہیں تھی ہمیشہ ہی۔ اس احساسِ محرومی کو اب کوئی دنیا کی سب سے قیمتی چیز مجھے دے کر بھی ختم نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ ابھی میں نے کہا ماں کہ انسان اور چیزیں الگ الگ ہوتی ہیں۔

اس دن کا پورا منظر میری آنکھوں کے سامنے در پیش ہے اور ذہن میں نقش ہے۔ کس قدر سردی تھی اس دن کہ مجھ جیسی پتھر بدن رکھنے والی صِنف سردی کی سرد ہوا جسم میں گھستی محسوس کر کے کانپ جاتی تھی۔ وہ سفر اس قدر لمبا اور تکلیف دہ تھا کہ صحیح معنوں میں معلوم ہوا کہ درد، تکلیف، اذیت کیسے اپنے درجے بڑھاتے ہیں۔ میں اپنے دل کی دھڑکن اتنے میل اُس سے دور ہو کر بھی سُن سکتی تھی۔ میری سانسیں اُس بس میں موجود ہر شخص سن سکتا تھا۔ اور میری مجبوری دیکھو ماں !!!!

کہ اپنی بے چینی صرف میں ہی محسوس کر سکتی تھی۔ جس سے ملنے کا ایک صِنف مازک نے سترہ سال انتظار کیا ہو۔ ہر لمحہ اس کے بغیر اس کے ساتھ گزارا ہو اور جب رب ملوائے تو اس طرح کہ نہ دیکھ سکوں، نہ سُن سکوں۔ اسے اس کی ابدی آرام گاہ میں زمین کے بہت نیچے، اپنے ساتھ جڑے اس کے احساس کے ساتھ اس کو خود سے بہت دور پاؤں۔۔۔۔ تو سوچو اس تصویری لڑکی کے دل پر جسے وہ پتھر کہتی تھی۔۔۔

کیا کچھ اور بھی چاہیے اسے ٹوٹنے اور تڑپنے کے لیے۔۔ سوچو تو اندر سے آواز آتی ہے کہ نہیں نہیں۔۔۔ اب ٹوٹنے کو کچھ مرید نہیں درکار۔ کیوں کی اب دل ایک مٹھی حجم کے پتھر سے کراچی کے شہر والے برے قبرستان میں تبدیل ہو گیا ہے جہاں میں ماں کو دیکھنے گئ تھی ۔ خاموش عورت کی خاموش بیٹی اور پھر خاموش ہی قبر۔۔۔ اللہ !

کیا کوئی ماں کو دیکھنے قبرستان بھی جاتا ہے۔۔

پھر لفظوں میں بیان نہیں ہو تا۔

غلام ہمدانی مصحفی

<u>حصہ ساعری</u>

غزل

زویا ساہد

اپنی سوچوں کو میرے مام سے قید رکھنا
مجھ سے بچھڑ بھی جاؤ تو خود کو سنبھالے رکھنا

میرے حریف پوچھیں گے کیوں پریشان ہو تم
کچھ نظروں سے کہ دینا، کچھ ہونٹوں پہ مالے رکھنا

نہ کھونے دینا میری دل کش لمحوں کو
میری شرارتوں کو برے پیار سے سنبھالے رکھنا

تم رہ نہ پاؤ گے اتنا یقین تو ہے مجھ کو
میرے لیے کچھ لمحے نکالے رکھنا

روح نے بری شدت سے چاہا ہے تم کو
میرے لیے اپنی یادیں وہی پرانی رکھنا

گرداب

مریم نسیم ارشد

کس گرداب میں پھنس گئے ہم

سنبھلتے سنبھلتے گر گئے ہم

نہ کریں گے کبھی بھی بھروسہ کسی پہ ہم

آج اپنی ہی سوچ میں گر گئے ہم

وہ آئے تھے خداحافظ بولنے پر

وہ آئے تھے اسی پہ خوش ہو گئے ہم

ناجانے قسمت میں کیا لکھا ہے

مسلسل چلتے ہوئے بھی

سب سے پیچھے ہیں ہم

غزل

ساعرہ: لائبہ گل

دردِ دل نہ سمجھا تو کیا سمجھا
اندازِ بیاں نہ سمجھا تو کیا سمجھا

سسکیوں سے کیا حاصل جب
چشمِ نم نہ سمجھا تو کیا سمجھا

دل پہ دستک نہ دو اب اس کے
جو آہٹیں نہ سمجھا تو کیا سمجھا

کتابوں سے عشق تھا جس کو
وہ عشق ہی نہ سمجھا تو کیا سمجھا

رات کا پچھلا پہر

سلیم اللہ خان

نہ جانے رات کے اس پہر تمہاری آنکھیں
اِس اطمینان سے کس کو تلاش کرتی ہوں گی
وہ جن میں قید ہے حس کا دلنشیں منظر
جہاں مقیم ہے ارض و سماء کی رعنائی
وہ جن کے ساز میں آوازِ حدا سامل ہے
وہ جن کی چاہ میں اسا سیب فناء ہو جائے
وہ جن کی ماب فرشتوں کے بس کی بات نہیں
وہ جن کی سوچ سے حوروں کے دل مچل جائیں
وہ جن کو دیکھ کے خالق بھی خود پہ ماز کرے
وہ جن کے رنگ ہیں قوس و قراح کی مانند
تمام رنگ بھی فدا ہو گئے ہونگے
کہ درمیان کے رنگ حسد میں جلے ہونگے
وہ جن کے بخت میں پلکوں تک رسائی نہ تھی
کوئی حدا سے یہ ہر دم سسک کے پوچھتا
حدایا، کون ہے اور کتنا مقدس ہے وہ جو
اُس کی آنکھوں میں گئے رات ٹمٹما ما ہے
حدایا! وہ کوئی اساں تو ہو نہیں سکتا
ہمیں گمان ہے کہ اہلِ زمین پہ اِس حد تک
تمہارے فضل و عنایات تو ہو نہیں سکیے
حدایا! اور بھی مخلوق ہیں جہاں میں تیرے
تمہیں خبر ہے کہ کیسے وہ سانس لے رہے ہیں
کوئی گھروں کو پلٹتا ہے لے کے کاندھوں پر
اپنے بچوں کی حسرتوں کے دیئے
جنہیں ہوا جہاں گھور رہی ہے طنزاً
انہیں سزائیں یہ کس بات کی ملی ہے کہ وہ
عذاب جھیلتے ہیں روز و سب تمہارے لیے

که جس سمے کوئی دن بھر کی مشقت کو لئے
اپنی نظروں کو جمائے ہوئے، دیواروں پر
کہ جن میں ظرف نہیں، اُس کو اور سہنے کا
پناہ گزیں ہے جہاں حسرتوں کے منا
حسرتِ دید، نگاہِ کرم کی آس لئے
دین و دنیا کے ستم، رنج و خباب کو لئے
مفلسی اور محبت کے رانے سن کر
خود کو اِس قدر تلاطم سے بچانے میں لگے رہتے ہیں

تھکن

فوزیہ اکمل

تھکی تھکی ہے زندگی

تھکے تھکے سے ماہ و سال ہیں

تھکن ہے ان امیدوں کی

جن پہ قائم ہوش و حواس ہیں

اک سرد جنگ ہو جیسے

تھکن اور امیدوں کے درمیاں

جس سے دل اور دماغ ہیں نبرد آزما

دل جو تھکن اوڑھ چکا ہے

دماغ جو امیدوں کے سرسبز باغ دکھائے

انگلی پکڑ کہ چل رہا ہے

جیسے امیدوں میں چھپی ہو کوئی

ہفت افلاک کی دولت

لیکن امیدیں ہیں کسی ادھوری کہانی کے کردار

جو آغاز ہی میں مر جائیں

سفر شروع ہونے سے پہلے ہی ساتھ چھوڑ جائیں

خلاء

صبا صادق

اک خلا ہے

تیرے اور میرے درمیاں

دل اور آنکھ کے درمیاں

نظر اور احساس کے درمیاں

محبت میں ہجر اور

وصل کے درمیاں

اک خلا ہے

تیری سماعتوں اور

میرے تکّلم کے درمیاں

میرے ہونٹوں کی حدّت

تیرے بدن کے سراب کے درمیاں

اک خلا ہے

محبت میں ہجر اور وصل کے درمیاں

عشق اور آگہی کے درمیاں

خواب اور حقیقت کے درمیاں

درد اور بیاں کے درمیاں

وجودِ ہستی کو کھا رہا ہے

وہ جو اک خلاء ہے یہاں

ENGLISH

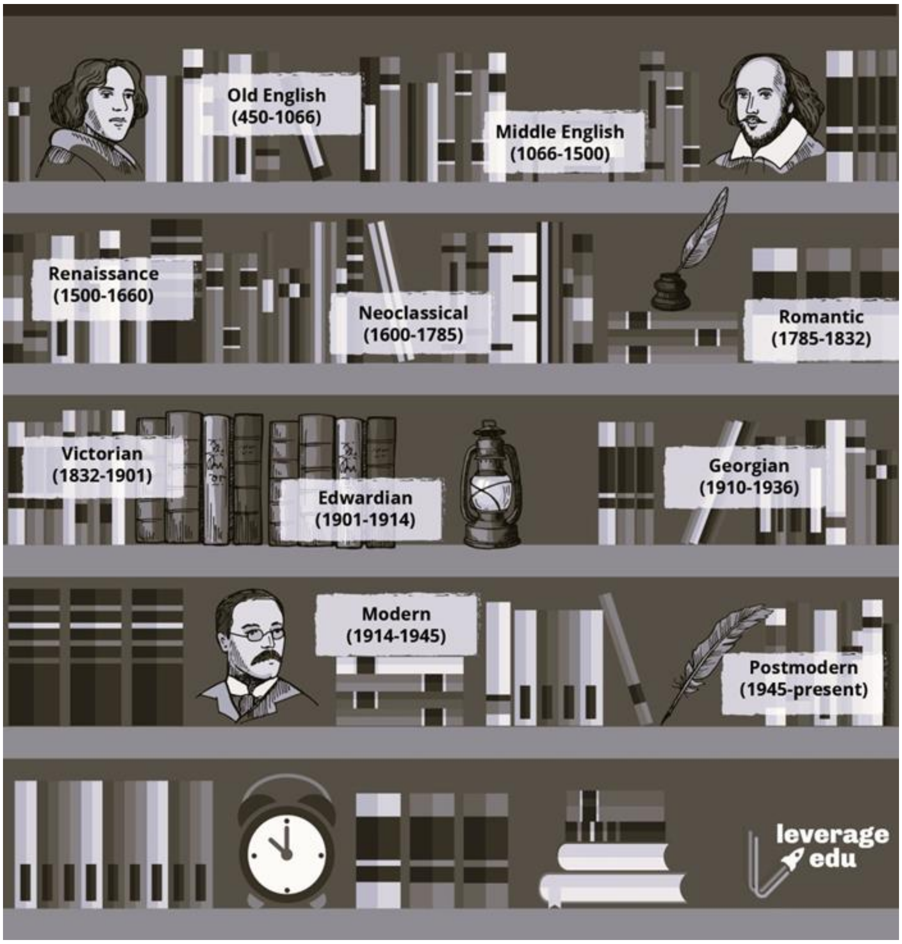
Old English
(450-1066)
Middle English
(1066-1500)
Renaissance
(1500-1660)
Neoclassical
(1600-1785)
Romantic
(1785-1832)
Victorian
(1832-1901)
Edwardian
(1901-1914)
Georgian
(1910-1936)
Modern
(1914-1945)
Postmodern
(1945-present)
leverage
edu

CONTENTS

Unveiling The Visionary Voice
Pg;52

Victim Blaming
Pg;54

Revival of fate
Pg;59

Summary of 1984
Pg;71

Navigating The Ocean of Memories
pg;79

Poetry
Pg;80

Unveiling The Visionary Voice

" The principle goal of eductation should be creating men and women who are capable of doing new things , not simply repeating same things what other generations have done." Jean Piaget

In the ever-evolving landscape of literature and art, there exists a profound hunger for voices that beats the mundane, offering insights to inspire, challenge, and provoke. It is within this fertile ground that " The Visionary Voice" —a beacon illuminating the corridors of imagination, thought, and introspection.

At its core, "The Visionary Voice" is more than just a magazine; it is a sanctuary for the seekers, the dreamers, and the wanderers of intellect. It serves as a platform for the convergence of diverse perspectives, where the boundaries of conventional wisdom are pushed, and the horizons of possibility are expanded.

Within the pages of " The Visionary Voice," readers will embark on a journey through the realms of literature, art, and beyond. Each article, essay, and piece of creative expression is crafted to evoke contemplation and stir the depths of the soul. Every contribution of writing to this magazine is a testament to the power of intellect and imagination.

"The Visionary Voice" is more than just a collection of words on paper; it is a community—a gathering of minds united by a shared passion for ideas. Through thought-provoking and meaningful discourse , we seek connections and spark conversations to art and literature.

As we embark on this journey together, let us embrace the boundless possibilities that lie ahead. Let us celebrate the diversity of thought and expression that defines us as individuals and unites us as a collective. And let us never lose sight of the transformative power that lies within the pages of "The Visionary Voice." So, dear readers, I invite you to join us as we explore the infinite expanse of creativity and intellect. Let us raise our voices in harmony and dare to envision a world where ideas know no limits. Welcome to "The Visionary Voice"—where imagination knows no bounds and where visions come alive !

Editor

Jaweria

Victim Blaming Culture In Pakistan

Taimoor Khan

Victim blaming is a phenomenon in which people blame someone who has been hurt for what happened to them. Instead of blaming and calling out

the people who are responsible, the blame is shifted onto the victim.this is the most harmful behaviour of society which can lead to the discouragement of victim to come outagainst criminals.

There can be several reasons for this behaviour. One possible reason is that this is easier to blame the victim that the situation can be avoided by not provoking criminals. Its hard to blame criminals and stand with the victim. That’s why people choose this way. Another reason for victim blaming is the desire to distance oneself from the possibility of being a victim. By blaming the victim, people may feel a false sense of security, thinking that if they avoid the same behaviors or situations, they won’t be at risk

themselves. This can lead to a lack of empathy and support for those who have been victimized. Victim blaming has a lot of consequences . victims hesitate to take any kind of help. Because they feel guilty and ashamed. They even hesitate to report crime because constant shaming from the society cause them to believe that they are the reason for this. By this criminals get encouragement to do crime. This behavior is the reason for increase in crime. And most importantly these are the crimes against humanity.

In Pakisan this type of behaviour is very common . People normally shift the blame from criminal to victim. There can be different reasons for this behaviour like societal beliefs, cultural ideas, and unfair system.

There are three most important areas of victim blaming in Pakistan. Victim blaming in sexual assault and harassment: our society very easily link the harassment with the type of dressing or fashion. We often heard this if someone is being harassed he/she should not go on that way. This is the most illogical statement. In the situation of sexual assault there are a lot of people which blame the victim. And there is matter of honour is also involved in this. The relatives of victims usually stop the victim to report otherwise there is a problem of their honour. We can also see victim blaming in the domestic violence. Victims are blamed in that situation even it not their fault. Most of the women facing domestic violence never report this crime due to victim blaming. They usually remain quite to protect family honour . Women who report these types of crimes are blamed and shamed for reporting the crime.

In the situation of honour killing , most of the time people blame the victims. Actually victim blaming in Pakistan is very closely related to honour culture. People are killed on the name of so-called honour and after that society blame the victims. For most of the people in the society, killing someone for the honour is normal and sometimes it’s the sign of bravery.

This culture of blaming victims keeps people silent and let’s abuser off the hook. This needs to be changed by educating people and standing with victims. When influencial people stand with the victims, victims feel confident to stand against criminals. By eliminating victim blaming culture, we can make our society peaceful and safer to live.

Short Story

Revival of Fate

Um e Kalsoom

I

It is a story of a bourgeois family. The family is known

as a Landy family. There are 6 members in this family. This family is very well known throughout their countryside . Landy family mainly consisted on the guardian of Sir Philip, elder member of this family and is married with sussana (who has no child till ten years of her marriage with philip) After ten years of their marriage they are blessed with a baby girl named as Ethena. Another occupant, and the younger son of the landy family is Sir Dilip who is married with Elizabeth with whom he has only son Jackie. Landy family is prominent and well respected due to their landownership and plutocracy . Landy family's sons are very popular for solving issues or clashes among people or between two races. The main clash or clouds of sorrow enters to this family when two groups appear in front of Sir Philip for solving their problem on the issue of girl's abscond with her love ones.The girl's family wanted to get their child back . Mr Philip helped this family by taking the case in front of court. When they encountered girl in court ,girl refused to come back and hurriedly respond that " I shall not come to thee".

At this girl's brother Poen chattel wanted that if Mr Philip says the girl can come back,but Mr philip didn't favour it because he knows every individual has its own rights and terminating one's rights is crime. At this girl's family is agitated over it and become foe to the Landy family. Landy family has no any concern with their enmity.

Landy family has only son Jackie who is very meek , polite,handsome but sometimes is haughty due to filial

everything in excess amount. He is a son of sir Dilip (sir Philip's younger brother) .On the other hand Sir Philip had no any offspring till ten years of his marriage but after ten years of his marriage ,he is too blessed with a baby girls whom they named Ethena. Ethena's birth was too lucky to

ignore. For this blessing Landy family distributed sweets and money among people of their countryside .All of the people accepted it with gayness but peon chattel didn't accept this distribution and said " I spit on it ,he the bloody bastard ". At this the loyal servant of Landy family returns back without any retaliation . Servants didn't narrate the threatening words of Peon chattel and involve themselves in ceremony without spoiling fun. After this one year passes without any revolution. Everything was going well. Landy family arrange a trip to Germany in order to get rid of monotony. They started their journey happily but unfortunately at a very short distance they were attacked by some eater of pleasures. These eaters of pleasure were fully armed and pitiless in behavior. They were actually mercenaries of Peon chattel .Mercenaries snatched Ethena from her mother at this she pushed one of the mercenary back ,in return he slapped on her face , at this sir Philip attacked on a mercenary and attackers in return beat him viciously .They kicked him in the face and all over his body and right in the crotch and escaped from there. Landy Family was in agony because Mr Philip was died at the spot due to harsh beating .Sir Dilip tries his hard to occupy his brother's place and launched a case to find Ethena . With the help of police force Mr Dilip becomes successful to capture the real murderers and kidnapers of landy family. Murderers disclosed the real planner behind the incident that was peon chattel. Mercenaries discloses that they had sold Ethena to another wealthy and lavish family who was on tour . Mercenaries do not know that from where they were . Landy family lost two beloved members, and Sir Dilip requested criminals to mount to the sentence, same happened and all of them were mount to the sentenced.

Story steps forward after 10 years.

When Jackie the only son of Landy family is send to the Lincoln university for higher education . At Lincoln uni Jackie falls in love with a girl named Jane , who is the only girl of the Briscoe family. she is very beautiful ,intelligent and pretty girl with moody nature. She is very haughty but at the same time euphoric one. Jackie is a passionate Jane's lover .He is always roaming behind Jane, but Jane didn't give him a free hand due to her moody nature. Once there was a ceremony at university but Jane could not attend it due to some problems. Throughout of the ceremony Jackie's eyes were searching her impatiently, but problem hurdles his way. Next day when Jane enters in the university Jackie rushes toward her in order to know the reason of absence but she does not pay any heed toward him and rush toward the class in order to take the lecture. Whole lecture Jackie keeps staring Jane. On 10th of Dec, Jackie arranges a birthday party for Jane but she does not come to attend it, this thing hurts Jackie but love does not allow him to get hurt, Jackie tries to contact her at which she does not take any consideration over it. When Jane did not attend the call Jackie decides to visit Jane by self . On the next day Jackie visited at her door and rings door bell, Jane's mother opens door and asks ,"Who are You" Jackie replies" Myself Jackie, Jane's friend " .At this Jane's mother allow Jackie to step in the house and directs him toward Jane's room. When Jane glance at Jackie she asks him to take a seat in her room, Jackie replies "Thanks" . Jackie start conversation by saying "nice to meet to your mother" , Jane replies

"Thanks" Jackie again "Very happy to be here" .

Jane: Thanks

Jackie : Dear Jane why did you not come to attend your birthday party?

Jane: I was not well ,(Achoo)

Jackie: Are you fine now!

Jane: Yeah

Jackie: That's great!

Janes mother steps inside room with coffee cup and presents it to the jackie.

Jackie: Thanks ,nice to meet you.

Jane's mother: Same to you.

I am very happy to see you here.

Jackie: Thanks, mine pleasure.

Jackie stays here for one hour, have a lots of discussion and then goes back to uni hostel. On the next day Jane comes to uni , Jackie meets her and presents a flowers bunch , Jane pays thanks to him and have a lots of discussions together. On 14 Feb on the day of Valentine Jackie proposes Jane at this she happily accepts his proposal. Jackie again visits at Jane's home and talk to her mother also about marriage dilemma between him or Jane .Jane's mother also accepted it meekly and ask Jackie to send his parents and Sussana for marriage proposal .On the next day Jackie's family arrive in Germany for Jane. Dilip, Elizabeth and Sussana are warmly welcome at Briscoe family. They share many things with each other and are presented with lots of beautiful gifts and a delicious meal to eat. After having meal , they discusses about marriage proposal . Jane's Mother accepted it by betting that , as you know i have only one daughter to whom i can never desperate from me in anyway, so you have to give your child me forever as a matrilocal . At this Elizabeth the mother of Jackie starts weeping and says , dear we have only one son from two families .

"I can't handover him as a matrilocal to you"

Elizabeth and Sussana tries to explain her, Jane's mother bursts into sobs and finally accept it .Both of families becomes happy ,Jackie and Janes wink at each other . Jane brings her mother in law and Sussana in her room where Elizabeth and Sussana sees many pictures that were hung on the wall. Sussana by chance glances at Jane's childhood picture and becomes agape and repeatedly says "mine Ethena, it's our Ethena , Jackie just look at she is your cousin ,your uncle daughter to whom we lost 25 years ago Jane becomes confuse and agape over everything that was going on. After this Jane's mother steps inside the room and ask "Is everything ok?" then Sussana asks, is Jane your daughter , your own heart ? .” Jane's mother says “why are you asking this, yes of course she is mine because i brought her up.” Elizabeth replies that she is my niece my husband's brother princess, to whom we lost in an accident and now we have found her.

“Sussana. This is mine Ethena ,I can't forget her, I can't forget her .”

She faints. Jane and all family members become worry and sprinkle some water on Elizabeth at which she awakes by murmuring “ Ethena, my Ethena, my Philip's daughter “. At this Jane's mother discloses all the reality in front of Landy family that 24 years ago I found her from a person who

was saying , I am poor who will buy this doll , I need some money . They were needy and I was deprived of offspring, so I bought her from them and I brought her up with full devotion just like a real mother. She is my only support ,"I shall die, I shall destroy without her . At this Landy family brings Ethena's step mother (by whom she was brought up) to their home for forever, because she has no any support without her. Jackie and Ethena becomes spouse to each other finally Landy family got their princess back by chance on the base of revival of fate.

Summary 1984, A Dystopian Novel

Saba Sadiq

George Orwell's 1984 is a marvel of dystopian fiction. The novel describes the form of government which totally controls the lives of people, in other words there is a totalitarian form of government. There is single political party which is ruling England. The slogan of party is

War is peace

Freedom is slavery

Ignorance is Strenght

The head of state is known as big brother and a contrived 3D pictures of two eyes are following everywhere, a caption beneath says

BIG BROTHER IS WATCHING YOU.

In every house , at every public place a telescreen is installed , which is connected to big brother`s office to make an expression that Big brother is watching everyone through telescreen.

There are four ministries which are working for party these are love ministry , concerned with law and order.

Truth ministry concerns itself with entertainment , education and fine arts , peace ministry is related to war , ministry of plenty which is responsible for economics affairs. Winston worked in truth ministry where he remains busy in altering history to suit the party. He feels discomfort in his job and he tries to know the actual history. All the books and written record is censored by party . And obviously party creates its own truth as Peace ministry says that Euracea has never been at alliance with Oceanica although Winston clearly recalls that only four years back Euracea ws at alliance with Oceanica but where does it exists only in the mind of few people because history has been anihilated to rule the present . Party says that

''Who controls the past controls the future , who controls the present controls the past.''

Thoughtcrime does not entail death, Thoughtcrime is death .Punishment is not in the form of any sort of physical torture but it is to be vaporized, people are vaporized for particular period of time and nobody knows

about their whereabouts until released. They make confession of their crime before all and again start living their lives as like others. Every week two minute hate speech is delivered which makes everyone to hate others while love only belongs to BIG BROTHER .Winston Smith fell in love for another party member, Julia, who happens to work in love ministry . LOVE MINISTRY does not concern with love as love is also a refrained emotion same as intimacy , romance and sex. However Julia and Winston embark upon a venture of love and rebel. They not only love each other but also practice sex. In Newspeak sex word does not exist individually instead it is used as sex crime or good sex, which means practicing sex for reproduction without any sort of pleasure as it happens in animals. THE NEWSPEAK is new language which is reduced form of English language, many words such as Honor, Justice, Morality, Science , Democracy and Religion does not even exist. Winston thinks that whole aim of **Newspeak** is to narrow the range of thought.

Julia and Winston believe that by rebel they will make people corrupt to the bones in the party rules which go against humanity, unfortunately, they are deceived by O` Brien who is also a friend of Winston and works in the ministry of peace . He reports to the party about their activities and party caught them . They are kept in love minister and are alleged of thoughtcrime and sexcrime. They are kept in isolated cells and are inflicted to the physical and mental torture. They are made to believe that if party says 2+2=5 then they have to believe it. Finally they yield to BIG BROTHER and confess their crimes before everyone. After being released Winston and Julia see each other as emotionless objects of daily use. They believe in what is delivered in Hate speech and their story ends up with the chants of Julia and winston that;

LONG LIVE BIG BROTHER

The time when it was written has changed and the world has moved on. But does time ever change and do we really move on ? Is it not the same dystopia we live in? Long before Orwell. Long after 1984.

Navigating the ocean of memories

Jaweria

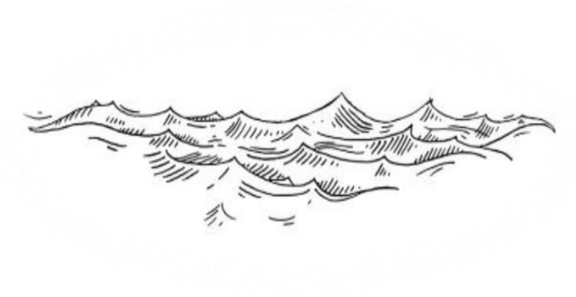

n the recesses of our minds, echoes linger, reverberating through the corridors of time. Each ripple of memory carries the weight of our experiences and shapes the contours of our existence. With the flow of life's currents, we navigate the ocean of memories, guided by the whispers of our hearts. Every bridge we traverse, every wave we ride, leads us closer to the shores of understanding, where the past and present converge in a symphony of remembrance. And in the depths of our being, the heart continues its ancient dance, weaving the threads of our story with each beat, a testament to the enduring power of our shared

humanity.

In life, there is a deep ocean of memories, and its shores gradually unfold. One after another, memories pass by like bridges, with each moment stirring ripples of reminiscences. Everything is connected to memories. Everything is in motion. When the heart is not silent, every moment

beating becomes its habit. Bodies may change, but the heart remains the same, pulsating with old, restless beats.

Fun Fact

The first known author was Enheduann , the daughter of Sargon, king of Akkad, the first king to conquer all of Mesopotamia. She was a priestess who composed religious poetry

Reading increase empathy and emotional intelligence.

Do You Know?

The first ever story written was " The Epic of Gilgamesh'

John Steinbeck's original manuscript for Of Mice and Men was eaten by a dog.

Literature always anticipates life . It doesn't copy it but molds it to a purpose. (Oscar Wild

LOVE

Features look so perfect

Nature being so correct

Beauty overwhelms with charms

Like, You are in my arms

All states belong to me

When I behold, face of thee

Moon needs little correction

Your beauty is of perfection

Because feelings cannot be prove,

The Word's short, called ''Love''!

Ramish Touqeer

ODE TO MOTHER

O the queen of queens!

your kindness can never be taken away.

O the symbol of strength!

You teach me to touch the unseen world.

O the symbol of unconditional love!

You are the first land to lend me in the world.

O Mom thine fragrance is Mightier

than all roses of the world.

Thine beauty is Superior than

the fairy's winsomness .

Thine love is all in all a comfort zone ,

where heavy heart gets lighted.

O mom your feet posseses a paradise for me.

O mom you are such a saviour to me ,

who never let anyone to abuse me.

O mom when you smile ,

it seems paradise is smiling.

O mom you are a magic fairy

who come to know

about all troubles of my mind.

O mom you are moon,

Without the night is glassy.

O mom you are a sun ,

without day is aphotic.

O mom you are a fragrance ,

without rose is nothing.

You are a such personality

where all love begins and ends.

Um e Kalsoom

Blubbered Eyes

In the depths of blubbered eyes,

Lies a world of unspoken sighs.

Each tear a tale of hidden pain,

A silent storm, a gentle rain.

Vulnerability draped in hues,

Of sorrow, joy, and myriad views.

Emotions flow like rivers deep,

Within the soul, they softly creep.

Strength in tears, a paradox true,

But the braves let their emotions brew.

Through the mist, resilience shines bright,

A beacon of hope in the darkest night.

Within each drop, a language untold,

Of empathy, love, and stories old.

Blubbered eyes, a window clear,

To hearts that ache and sincere.

Javeria

A Summer Night

In the light, when I am alone

I play soft music on the my phone

I like to watch the moon and star

I feel sweet voice of guitar

The moon is shinning and bright

My mind is calm, my heart is light

I feel as a child in zoo

This will be a good night, too

Azka Batool

Broken Heart

How she is suffering from pain

And she has nothing to gain

It's all because of your madness

She is sitting in sadness

Do you never feel that you are same

It's a life not a game

Have you never heard the stories of love

It's about loyalty & this task is tough

Aleena.

Same Type of Day and Night

One day I caught a sight..

Where everything was shinning like a bright light…

Men were smiling even with a lot of difficulties in their lives…

Women were considered to be their slaves…

And… men were ruling like this was their right…

What about childrens..

What about their lives..

Everything leads to one ruling right.

Though all the desires are not coming to an end …

But.. Equality leads to a bright and successful life.

One day I caught a sight..,Where everything was

shining like a bright light…

Everything was available at this sight..

But not even a single wave of peaceful life…

Women have to repent every time..

And… men were behaving like everything was up to their choice …

Children were also afraid of all this…

But.. what they need no one recognize them right.

By concluding all this sight..

We may say that same type of day and night.

Aqsa .

Painful Silence of Graveyard

When I want to talk to you, you never respond me

This is very painful, your silence is breaking me

The thing that bothering me is your complete silence

you were like a life to me I can't wear your ignorance

you were afraid of darkness in last stage of your life

now you are in the dark house put tears in my life

silence in this noisy world give comfort to life

But silence of graveyard is like heart pierced with knife

I love walking with bare feet on grass even in heart

The grass of this graveyard feels like needles in my feet

After you were silent, I realized silence is painful to me

Moments which I have spent with you

that memories are painful for me

My biggest dream is now to meet you
How I am going to do this I have no clue
I don’t want to go alone to that side of village
Then I remember pain t of those living in orphanage
I know there is no mistake in this from your side
The pain sorrow and dejection I don’t know how to hide
O father ! I want to talk to you but your silence is painful to me
Our beautiful relationship ended at this silence
That is so painful for me you left me alone
In this world I can’t tell you how happy I was with you
I know it’s not your fault but this is very painful
To live in this world without you father

Mehreen Mehboob

DO You Know ?

Reading for just six minutes reduce anxiety by 68%.

Labor Day,, originated in the United States in the late 19th century. The first observance of Labor Day is often attributed to the Central Labor Union and the Knights of Labor in New York City, who organized a parade and picnic on September 5, 1882. This event was meant to celebrate and honor the contributions of workers to society. Over time, the idea spread to other cities and states, leading to the eventually establishment of Labor Day as a national holiday.